عالمِ خیال

۱

عالمِ خیال

میرے اِس اندوہ و حسرت کا اظہار ممکن نہیں کہ اتفاقات زمانہ سے اس بے نظیر نظم کی طبع میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ اس کے ممتاز مصنف حضرت شوق قدوائی اُس کو اِس نئے لباس میں خود نہ دیکھ سکے۔ یہ نظم مرحوم کو اپنے تمام کلام میں سب سے زیادہ محبوب تھی اور اس پر اُنھوں نے اپنا بڑا وقت اور بڑی قوت کلام صرف فرمائی۔

سب سے پہلے اس کے چاروں رخ مختلف سالوں میں شایع ہوئے۔ پھر ایک کتاب کی شکل میں ایک تصویر کے ساتھ اس کی اشاعت ہوئی۔ اُس وقت بھی یہ تصنیف ملک میں عام طور پر بہت مقبول ہوئی۔ چار قابل سخن فہموں نے چاروں رخوں پر فاضلانہ تقریظیں لکھیں اور ہمارے صوبے کے مشہور زبان داں جناب منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی نے ایک بلیغ مقدمے سے اُس کے جوہر دکھائے۔ اُس وقت اِس کی صورت یہ تھی کہ پہلے رُخ میں مہجور بیوی اپنے خیال سے باتیں کرتی دکھائی گئی تھی۔ دوسرے رُخ میں اُسی عورت کی طرف سے اپنے پردیسی شوہر کے نام ایک خط تھا۔ تیسرے رخ میں شوہر کی طرف سے اس خط کا جواب تھا اور چوتھے رُخ میں عورت کی طرف سے شوہر کی آمد کے انتظار میں پھر اظہار خیالات۔ میں نے حضرت مصنّف مرحوم سے گذارش کی کہ دوسرے اور تیسرے رُخوں پر عالم خیال کا صحیح اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ کتابت عالم مقال سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ مرحوم نے میری اس عرضداشت کو قبول و پسند فرمایا اور ساری نظم پر نظر ثانی کرنے کو طیار ہو گئے۔ چنانچہ طبع حال اسی نظر ثانی کا نتیجہ ہے۔

خط اور خیال میں جو فرق ہے وہ صاحبانِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ خط میں جو بات آدمی نہیں لکھ سکتا ہے وہ آزادی سے خیال میں لا سکتا ہے۔ کوئی شریف ہندوستانی عورت اور خاص کر مسلمان اپنے شوہر سے بھی اپنی

محبت کا بے روک ٹوک اظہار نہیں کر سکتی چاہے وہ تحریر ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ کچھ تو شرم اس میں مانع ہوتی ہی اور کچھ خودداری۔ یہ خودداری عورت کی خاص شان ہی۔ مسلمان عورتوں کی تخصیص میں نے اس لئے کی ہی کہ ان میں یہ شان اردو شاعری نے زیادہ کر دی ہی۔ سنسکرت اور بھاشا میں محبت کا اظہار عام طور پر عورت کی طرف سے درست قرار دیا گیا ہی برخلاف اس کے اردو شاعری میں ایسا اظہار مرد ہی کی طرف سے ہوتا ہی یہاں تک کہ تقریبًا ہر عورت اسکو اپنا حق سمجھنے لگی ہی۔ لیکن یہ محض اظہار ہی تک ہی ورنہ محبت کا وہ بے پایاں سمندر جو ہندوستانی عورتوں کے دل کے کوزے میں بند ہی مرد کے دل میں سما ہی نہیں سکتا۔ بلکہ در اصل اُن کو اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہی۔ اس محبت کا اظہار اقوال سے شاذ و نادر ہی ہوتا ہی لیکن خیالات پر اُس کا کامل قبضہ رہتا ہی۔ یہ خیالات عورت کے دریائے محبت کی وہ لہریں ہیں جو دل کے اندر ہی اندر پیدا ہوتی رہتی ہیں اور کسی کی نظر اُن تک پہونچ نہیں پاتی۔ میں اس شاعری کو اعجاز کہنے پر مجبور ہوں کہ مصنّف "عالم خیال" کی نظر عورت کے دل کی تہہ تک پہنچ گئی اور اُنھوں نے اُس کے خیالات کی تصویر کھینچ کر دنیا کے سامنے پیش کر دی۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ ان تبدیلیوں کی وجہ سے اِس کا موقع باقی نہیں رہا کہ تمام و کمال سابقہ تقریظوں اور مقدمے سے اس نظم کی مزید زینت قائم رکھی جائے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ تنقیدیں بجائے خود دل آویز اور قابل دید ہیں۔ بقول حضرت شاکر کے "ہر ریویو اپنے رُخ کے ہر حُسن کو سخن فہموں کی نگاہوں کے سامنے پیش کر رہا ہے اس طرح آفتاب دنیا کی سب چیزوں کو نظارے کے روبرو پیش کر دیتا ہے۔" لیکن اب مضامین اور اشعار کے تغیر کے ساتھ ان ریویوز سے سابقہ لطف کا حاصل ہونا ممکن نہیں اس لئے میں بصد افسوس اُن سے اِس طبع کو محروم کرنے پر مجبور ہوں۔ ریویو لکھنے والے حضرات جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی جناب محمد سلیمان صاحب بیرسٹر۔ جناب سید مقصود علی صاحب آسیونی اور جناب سید شبیر حسن صاحب سے تھے۔ ان سب صاحبوں نے بغیر فرمایش اپنے ذاتی جوش سے ریویو لکھے تھے۔

حضرت مصنف مرحوم میرے شوہر کے حقیقی چچا تھے اور خود مجھے بھی اوس سے آبائی قرابت کا شرف حاصل تھا۔ اگرچہ اس نظم سے خود میں بہت متاثر ہوئی لیکن نہ صرف اس لئے کہ اُس کا مرتبہ میری تعریف سے بالاتر ہے بلکہ اس بنیاد پر بھی کہ "اپنے دہی کو کوئی کھٹا نہیں کہتا" میں اپنے قلم سے اُس کی خوبیوں کے اظہار کی ہمت نہیں کر سکتی حُسن اتفاق سے اِس کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لیئے کہ سابق ریویو نگار حضرات کے مضامیں کے مختصر اور مناسب اقتباسات سے یہ دکھانا آسان ہے کہ مسلّم ماہرین فن اور قدر شناسان سخن نے اُس کو کس درجے کی نظم قرار دیا تھا اور مرحوم کے کمال شاعری کی نسبت انکی کیا رائے تھی۔

جناب شاکر میرٹھی نے اپنے مقدمے میں مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔

"یہ نظمیں کس پائے کی ہیں اُنکا جواب طرز بیان کی سلاست بندشوں کی نفاست۔ زبان کی فصاحت مضامیں کی جدّت۔ فطری جذبات کی کثرت۔ غرض اصناف سخن میں جتنی خوبیاں اور اُن خوبیوں میں جتنی دل فریبیاں داخل ہیں اُن سبھوں کی مجموعی حالت اتنی شہادتیں دے رہی ہے کہ انکو لاجواب تسلیم نہ کرنا سخن فہمی کی قلمرو میں انصاف کا خون کر کے دماغ اور دل کو ظلم کا مجرم بنانا ہے۔

ارسطو کا قول ہے کہ "وہ حکیم نہیں جو شاعر نہ ہو، شاعر نہیں جو قدرت کے مناظر اور فطرت کے جذبات کو سطروں میں نہ جکڑے، شعر نہیں جو اثر کے جادو سے دلوں کو مسخر نہ کرے۔ حکیم کا اطلاق اگرچہ کُلًّا مفہوم اصلی پر نہ ہو سکے۔ مگر میں جزئیہ لقب اس معنے سے حضرت شوق قدوائی کو ضرور دوں گا کہ اُن کی نظمیں فلسفیانہ خیالات سے اس طرح بھری ہوتی ہیں جس طرح فضائے بسیط انرجی (وہ مادہ جو سبب قوت حیات کا مدار ہے) سے بھری ہوئی ہے انھیں نظموں کو دیکھ کر فلسفۂ شاعری کا یہ کلیہ تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ شاعری اور مصوری دونوں ایک مادر طبع کے بطن کی دختران توام ہیں عالم خیال ہی کی دل فریب نظموں کو دیکھئے فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ معاشرت انسانی سے کس قدر آراستہ ہیں۔

فارسی میں شاعری کی جامع تعریف شاید نہ ملے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ مختلف اقوال کو یکجا کرکے ایک نتیجہ نکال لو۔ البتہ انگریزی کے شعرا نے مختصر الفاظ میں اس کی ایسی تعریف کی ہے جس کو جامعیت کے لحاظ سے انسان کا دماغ کہنا چاہیے۔ جو دیکھنے میں چھوٹا سا مگر ہونے کو تمام عالم کے خیالات کا مرکز ہے۔ مثلاً یورپ کا نامور شاعر **شیلی** کہتا ہے کہ شاعری فطرت کی مخفی دل فریبیوں کے چہرے سے نقاب کو اُلٹ دیتی ہے، اور اُس کے جذبات کا ہمارے دلوں پر یہ اثر ہوتا ہے کہ جس شے سے ہم کو اُنس نہ ہو اس سے بھی اُنس پیدا ہو جاتا ہے۔ **ملٹن** کہتا ہے سب سے زیادہ نظم کی خوبی یہ ہے کہ وہ سیدھے سادے الفاظ میں اور نازک خیالوں کے ساتھ۔ با اثر ہو۔ حضرت شوق، قدوائی، کی نظمیں فلسفۂ سائنس، سینری، یا نیچر کے کسی مذاق پر ہوں، اور **عالمِ خیال** کے چاروں رُخ جو اخلاق اور معاشرت کے دل فریب نظارے کے سامنے کھینچ رہے ہیں، ان پر شیلی اور ملٹن کے اصولِ شاعرانہ سے نگاہیں ڈالی جائیں تو سب تعریفیں اس طرح ٹھیک اُتر جائیں گی جس طرح اُستاد خیّاط کا سیا ہوا خوشنما لباس کسی حسین کے جسم پہ ہر پہلو سے ٹھیک اُتر جاتا ہے۔

انسان کا کوئی خیال دو حدوں سے باہر نہیں جا سکتا۔ یا وہ محسوسات خارجی کے دائرے میں رہے گا یا داخلی کے۔ انھیں دو حدوں میں شاعری بھی محدود ہے۔ خارجی سے دل پر کم اثر پڑتا ہے؛ اور داخلی سے دلی جذبات متحرک ہو کے رگ و پے میں اس طرح دوڑ جاتے ہیں، جس طرح بجلی کا اثر جسم میں دوڑ کے محسوسات انسانی پر حاوی ہو جائے۔ اب تم **عالمِ خیال** کی دل کش نظموں کو دیکھو۔ ان کے ظروف میں حضرت مصنّف نے محسوسات داخلی کو اس کثرت کے ساتھ بھر دیا ہے کہ اونکے جذبات ہر طرف چھلکے پڑتے ہیں اور فطرت کی دل فریب ادائیں جو حُسن معاشرت کو آغوش میں دبائے ہوئے ہیں، اپنی کششوں سے قوتِ مُدرکہ پر بجلی کا اثر ڈال رہی ہیں۔ گویا خیال کے سامنے اداؤں کی ایک شکل مجسم

کھڑی ہے جس کا حسن دل کو اس طرح کھینچ رہا ہے جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔

شاعری کی بحث میں اشعار کے قوی الاثر ہونے کی نسبت **کارلائل** کا یہ قول بہت صحیح ہے کہ "اگر خیالات کا اظہار سچے پیرائے میں نہیں ہوتا تو اشعار کا اثر دیر تک نہیں قائم رہتا، میں سچے پیرائے کی شرح یہ کرتا ہوں کہ اس تعریف کا انحصار کچھ چشم دید حالت پر نہیں ہے بلکہ ہر ایسا بیان جو فطرت کے سانچے میں ڈھل جائے، با اثر اور دیرپا ضرور ہوگا۔ **عالمِ خیال** کے چوتھے رُخ میں اظہار شکر بجی کے لئے عورت کی دل فریب اداؤں کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے، وہ چشم دید نہیں ہے۔ مگر ایسا ہے کہ گویا آنکھوں کے سامنے سچی اداؤں کا دریا لہریں لے رہا ہے۔ اسی دلچسپی سے اس نظم کا اثر دل سے ایسا لپٹ جاتا ہے کہ ہٹائے نہیں ہٹتا۔

ان نظموں کے جسموں میں فطرت انسانی کا فلسفہ روح بن کے پھیلا ہوا ہے۔ مگر میں اس ریویو میں اوس پر بحث اور اس کی تشریح اس سبب سے نہیں کروں گا کہ بلند خیال بیرسٹر حضرت قدوائی نے اپنے ریویو میں نظم کے تسلسل کو دکھاتے ہوئے اخلاق اور معاشرت کے فلسفیانہ خیالات کو ایک دوسرے کے بعد سلسلہ بیان میں اس طرح دکھا دیا ہے جس طرح کوئی موتیوں کو ایک دھاگے میں پرو کے لڑی کو آنکھوں کے سامنے رکھ دے اور پھر قابل بیرسٹر مسٹر محمد سلیمان نے بھی اپنے ریویو میں جا بجا فطرت انسانی کے فلسفہ پر مناسب اور معقول بحث کر دی ہے۔ یہ دونوں جواہر نگار تمغے نظموں کے چمکانے کو کافی ہیں۔

دونوں قابل بیرسٹر علم ادب کے وسیع میدانوں میں جستجو اور تحقیق کی نگاہوں کو دوڑا کے اس امر پر اتفاق کر چکے ہیں کہ اردو در کنار یورپ کی زبانوں میں بھی **عالمِ خیال** کی سی دل فریب اور مسلسل نظمیں، جن میں فطرت انسانی کے جذبات بھرے ہوں کہیں نہیں ہیں۔ یہ فیصلہ صحیح ہے۔ شکسپیر نے جذبات کے نقشے کھینچے ہیں، لیکن نہ ایسے مسلسل؛ اور نہ عورت اور مرد کے پاکبازانہ برتاؤ اور حصر محبت کے ساتھ۔

حضرت شوق قدوائی کے کمال سخنوری پر مسٹر محمد سلیمان بیرسٹر ایٹ لا کا یہ فقرہ موتیوں میں تولنے کے قابل ہی کہ مرد کا قلم عورت کا دل بنکر بول رہا ہی۔ اس سے زیادہ کمالِ فن اور قدرت کمال کی بلیغ تعریف نہیں ہو سکتی۔

جناب مشیر حسین صاحب قدوائی تحریر فرماتے ہیں

"تصویر سے عام خیال کا دکھانا جسقدر مشکل ہی اوس سے بدرجہا زیادہ دشوار الفاظ سے عالم خیال کی نقاشی کرنا ہی۔ ایسی مرقع نگاری بہت بلند پایہ نثار یا شاعر چاہتی ہی۔ نہ صرف اردو بلکہ یورپ کی زبانیں بھی اس مضمون پر ایسی بے نظیر اور مسلسل نظم سے خالی ہیں جیسی کہ "عالم خیال" کی نظم ہی۔ بھاشا میں اگر ہو، تو مجھے خبر نہیں لیکن اردو زبان میں ایسی نظم اس سے پہلے نہ تھی۔"

جناب محمد سلیمان صاحب بیرسٹر ایٹ لا دوسرے رُخ پر ریویو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں اور میں حضرت قدوائی بیرسٹر کے لفظ لفظ سے اس بات میں متفق ہوں کہ فطری جذبات کا نثر میں ادا کرنا مشکل ہے نہ کہ نظم میں لیکن میں صرف قلم ہی سے نہیں بلکہ دل سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت شوق قدوائی نے جو کامیابی نیچرل جذبات کے دکھانے اور اصلی خیالات کے ادا کرنے سے نظم کی دنیا میں حاصل کی ہی، وہ آج ہندوستان میں انھیں کے دماغ اور انھیں کے قلم کے حصہ میں ہی، اور اُنھوں نے صرف شاعری نہیں کی ہی بلکہ اخلاق اور معاشرت کا فلسفہ اِن نظموں میں بھر دیا ہی۔

جو بڑی خوبی اِن نظموں میں ہی وہ یہ ہی کہ مرد کا قلم عورت کا دل بن کر بول رہا ہی۔ یہ ایسی لطافت ہی جسکی داد بہ نسبت مردوں کے خوش فہم عورتوں کے دلوں سے اور بھی زیادہ ملنا چاہیئے۔ وہ خوش ہوں گی کہ اُن کے خیالات اور جذبات کس لطافت، کس فصاحت اور کس عفت کے ساتھ اِن نظموں میں دکھائے گئے ہیں، اور پاک دامنی کے ساتھ وہ محبت اور وفا جو ہندوستان کی نیک سرشت

عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ رکھتی ہیں اور جو صرف ایشیا کی عورتوں کا خاص جوہر ہی اُس کو یہ نظمیں کیسے کیسے دل آویز پیرایوں میں ظاہر کر رہی ہیں۔ گویا اس بات کی قوی شہادت دے رہی ہیں کہ ہماری عورتوں کے پاک باز دل اپنے ایمان اور اپنی تمنّاؤں کو صرف شوہروں ہی کی صورتوں تک محدود رکھتے ہیں۔

جن لوگوں نے انگریزی کی نظموں، خصوصاً شکسپیر کے ڈراموں کو دیکھا ہی اور جن کی نگاہیں سنسکرت اور بھاشا کے دلکش مضامین پر پڑی ہیں، وہ نیچرل جذبات اور اُن کی اداؤں کا لطف زیادہ پا سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہی **عالم خیال** کی نظمیں خیالات کی ایسی وسعت اور ایسی کششوں کے ساتھ اگر کسی یوروپین شاعر کے قلم سے انگریزی زبان میں نکلتیں تو یورپ کے اکثر حصّے اِن کی تعریفوں سے گونج اُٹھتے، اور شاعر کا دامن امید ہر قسم کی داد کے پھولوں سے بھر جاتا، بلکہ میرا خیال تو یہ ہی کہ اگر ایسی نظمیں انگریزی لباس میں نظر آئیں تو یورپ کی آزاد منش عورتیں ہندوستان کی پاکباز عورتوں کے خیالات سے سچّی محبّت اور وفا کا سبق لیں۔"

مجھے یہ عرض کرنے میں تامل نہیں کہ اب اِس نظم کے ہر رُخ کا مرتبہ پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گیا ہی۔ سلسلۂ کلام کی روانی۔ بندشوں کی چستی۔ الفاظ کی پاکیزگی۔ محاورات کی کثرت اور بے تکلفی۔ خیالات کی نزاکت۔ جذبات کی اصلیت۔ بیانات کی سادگی اور دل آویزی تمام اعتبارات سے میری ناچیز رائے میں اب یہ درحقیقت ایک نادرالوجود نظم ہی۔ شاید اِس سے بہتر مثال سہل ممتنع کی ملنا دشوار ہوگی۔

ہر رُخ کو اِس کی نوعیت کے اعتبار سے ایک پیشانی دیدی گئی ہی جس سے اوس کے تخفیصی خیالات کی کیفیت کا اظہار ہو جاتا ہی۔ پہلا رُخ "فراق" کا حال ظاہر کرتا ہی۔ دوسرا "شکست امید" کا اور چوتھا " امید کا۔ تیسرے میں "مرد کے خیالات" ہیں۔

تیسرا رُخ خاص طور پر قابل ذکر ہی۔ اسکے رنگ کا دوسرے تینوں رنگوں سے الگ ہونا

ضروری تھا اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ امر قابل داد ہے کہ کس خوبی سے مصنف مرحوم نے اُس کو علیحدہ کیا ہے۔ مضامین محبت کے ساتھ ساتھ مرد کے خیالات میں فلسفۂ ازدواج و معاشرت کا داخل کر دینا اور مفارقت کا الزام ضروریات زندگی پر ڈالنا فطرت انسانی پر شاعر کے کامل عبور کی دلیل ہے۔ اس رُخ کے متعلق بعض صاحبوں کا یہ خیال مجھے معلوم ہوا کہ وہ مقابلتاً "ٹھس" ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو شاعر کا فن ناقص رہتا۔ اس لئے کہ اگر شوہر کے دل میں بھی محبت کا دریا اوسی جوش و خروش سے موج زن ہوتا جیسا کہ بیوی کی طرف سے ظاہر ہوا ہے تو پھر مفارقت کی نوبت ہی کیوں آتی اور دنیا کا کام کیونکر چلتا۔

یہ ایک لطف کی بات ہے کہ دوسرے اور چوتھے رُخوں یعنی "شکست امید" اور "امید" کی بحر ایک ہی ہے اور اس سے اُن کے مضامین کے تناقض کا اچھا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک کے لفظ لفظ سے رنج و یاس کا پتہ چلتا ہے اور دوسرے کے حرف حرف سے مسرت اور شادمانی ٹپکتی ہے۔

ناظرین یہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے کہ ساری نظم بے اضافت ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ عورتوں کی زبان میں اضافت درست نہیں مانی گئی ہے۔ ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا شاید مفید ہو۔ اس نظم کا قلمی نسخہ مرحوم نے بہت احتیاط کے ساتھ خود اپنے ہاتھ سے لکھا اور مطبع کے پروف کی تصحیح بھی باوجود سخت علالت اور کمزوری کے خاص توجہ سے فرمائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مرحوم کو رسم خط کے متعلق خاص غلو تھا۔ ایک ایک حرف اور نقطوں تک کی صحیح کتابت پر اصرار فرمایا کرتے تھے۔

بیگم صفدر علی

اندور۔ ۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء

عالمِ خیال

کا

پہلا رُخ

فراق

آج او مِرے خیال تو کہاں کہاں گیا | دِل بھی تیرے ساتھ تھا تُو جہاں جہاں گیا
تُو نے رُخ جدھر کیا دِل کا رُخ اُدھر پھرا | تُو پھرا جورے کے پاس۔ دِل بھر آیا۔ سر پھرا
تیرا دَم بس او خیال زندگی کی جان ہے | تیری گود میں ہیں "وہ" مُجھ کو جن کا دھیان ہے
چار دِن کا کام تھا "وہ" گئے تھے جس لئے | چھا کے چھاؤنی وہیں بس رہے تو کس لئے
بے مِرے "وہ" کیوں رہے۔ مُجھ کو رنج کیوں دیا | اِس گِلے کا کیا جواب "تُم نے کیوں ستم کیا"

صرف بھول ہو اُنھیں یا ہو کچھ ملال بھی
اُن کے دل سے اُڑ گیا کیا مرا خیال بھی

مجھ سے کیوں خفا ہیں "وہ" پھر گئی نظر تو کیوں
دل نہیں اِدھر تو کیوں - رُخ نہیں اِدھر تو کیوں

میں وہی ہوں یا نہیں - "وہ" وہی ہیں یا نہیں
دور ہیں تو کیا کہوں - کیا ہو اور کیا نہیں

ساون اور یوں گھٹا آئے گھوم گھوم کے
اودی اودی بدلیاں برسیں جھوم جھوم کے

یہ رُت اور مجھ سے "وہ" کالے کوسوں دور ہیں
لے کے اِس بہار کو کیا کروں اکیلی میں

ساتھ والیوں کے ساتھ جھولنے کو جاؤں کیا
دل وہاں ہو "وہ" جہاں بے دلی سے گاؤں کیا

کھل پڑے گی خود بخود چاہ ہر صدا کے ساتھ
منہ سے باہر آئے گی آہ ہر صدا کے ساتھ

خیر! اس بہانے سے آہیں بھر تو لوں گی میں
راگ کی لپیٹ میں نالے کر تو لوں گی میں

دل کی بے قراریاں رُخ اگر دکھائے - تو!
ایک رنگ آئے اور ایک رنگ جائے - تو!

اِس کی اُس کی چھیڑ چھاڑ پھر بڑا ستم کرے
جس کے سامنے ہو مُنہ ناک میں وہ دم کرے

دُکھ کی پوچھ پاچھ پر سر جھکا کے چپ رہوں
اُن کی لاج - اپنی لاج - کچھ کہوں تو کیا کہوں

آتی ہیں جو ہم سنیں جھولنے کو میرے ساتھ
چُنریوں سے کھاتی ہوں دِل پہ بار بار داغ
اور بھی لگائی آگ ساون نے پھول کے
"وہ" کہیں کے ہو رہے میں ہوں جن کیواسطے
حُسن "یہ اُنھیں" کا ہے۔ جس کو بھول بیٹھے ہیں
یہ شباب کی اُمنگ اب کسے دکھاؤں میں
لال یہ کہاں رہا زرد ہو کے رہ گیا
جِسم وہ نہیں رہا۔ اِس میں کس نہیں ہے اب
رُوپ ہی بگڑ گیا۔ شکل ہی بدل گئی
دُبلی ہو گئی ہوں میں غم کے مارے اِس قدر
مُنہ مِرا اُتر گیا۔ اُڑتی ہیں ہوائیاں

کرتے ہیں جگر کا خون اُن کے لال لال ہاتھ
ایک میں ہزار درد۔ ایک دِل ہزار داغ
پیڑ پہ مری نظر پھر پڑے نہ بھول کے
رات دِن کی یہ جلن ایسے سِن کے واسطے
میں نہیں، پہاڑ پہ بھر فضول سب بیٹھے ہیں
رُخ کا لال لال رنگ اب کسے دکھاؤں میں
رنگ اب کہاں ہے رنگ۔ گرد ہو کے رہ گیا
ہونٹھ وہ نہیں رہے۔ اِن میں رس نہیں ہے اب
وہ جوانی اب کہاں۔ دوپہر سی ڈھل گئی
نیلی نیلی سب رگیں کھل پڑی ہیں جِسم پر
ڈھیلے ہو گئے کڑے سوکھیں یہ کلائیاں

بیٹھی ہوں جلی بھُنی - اب نہیں ہی مجھ میں جان ‖ یوں میں خشک ہو گئی جیسے دھوپ کھا کے پان
"اُن" کی شکل کا خیال آ رہا ہی رات دِن ‖ یہ بروگ میری جان کھا رہا ہی رات دِن
مُجھ سے میرے جی کا چین سب تو چھین لے گئے ‖ پھر وہ کیوں خیال کا رُوگ مُجھ کو دے گئے
کیا نکھر کے آتی ہیں سب پڑوس والیاں ‖ اور میں نصیب کو دے رہی ہوں گالیاں
مُجھ کو اُجڑی دیکھ کے - کہتی ہیں سنورنے کو ‖ سر یہ ہوتی ہیں سوار - کنگھی چوٹی کرنے کو
کاجل اور مِسی کا لُطف جب نہیں "وہی" تو کیا ‖ آئینے میں خود ہی میں دیکھتی رہی تو کیا
زیور اب پہن چُکی - جی سے یہ اُتر گیا ‖ جائے بھاڑ میں سنگار، دِل اب اس سے بھر گیا
آرسی کو پھینک دوں مُنہ لگا کے کیا کروں ‖ مِنہدی مَل کے کیا کروں، پان کھا کے کیا کروں
چُن چُکی دوپٹّے اب - غم کی پالے میرے کون ‖ پھول گُوندھ گُوندھ کے پہنے بالے میرے کون
ماں نے چُنری بھیجی ہی - سب کی ضِد ہی اُوڑھ لو ‖ اُوڑھنا پڑے ہی گی ساس کے دکھانے کو
اُوڑھوں اور نہ دیکھیں "وہ"، جن کی سب بہار ہو ‖ ایسا اُوڑھنا ہی کیا؟ جو بدن کو خار ہو

کس سے ناز اب کروں میرے ناز اُٹھائے کون؟
رُوٹھنے کو رُوٹھ لوں۔ لیکن اب منائے کون؟

کِس سے اپنے دِل کا بھید اب میں کُھل کے کہہ سکوں
کِس کے ساتھ بے جھجک اب میں مِل کے رَہ سکوں

رَکھ رکھاؤ وہ کہاں۔ گھر میں یُوں رہا کروں
چُپ چُپ اپنے جی کا بھید جی ہی سے کہا کروں

کتنی کم تھی مَیں۔ مگر دِل ٹٹولتے تھے "وہ"
بُول اُٹھے دِل اِس طرح ہنس کے بولتے تھے "وہ"

بے کہے سُنے بھی "وہ" کرتے تھے مرا خیال
مُجھ کو خوب یاد ہے ایک روز کا یہ حال

ایک بالی کُھل کے گونج۔ گر کے شب کو کھو گئی
ماں سے "وہ" چھپا گئے۔ مُجھ کو لا کے دی نئی

مانگتی جو کوئی چیز "اُن" سے مُسکرا کے مَیں
ہنستے اُس کو دے کے "وہ" ہنستی اُسکو پا کے مَیں

ہنستے آ کے بیٹھتے۔ ہنستے اُٹھ کے جاتے "وہ"
چُپ جو دیکھتے مُجھے چھیڑ کر ہنساتے "وہ"

تب میں دِل سے ہنستی تھی جب تھے دِل لگی کے دن
پَر لگا کے اُڑ گئے اب تو وہ ہنسی کے دِن

بے دِلی سے اب ہنسوں ہم سنیں جو سب ہنسیں
اِس ہنسی کے مُنہ میں خاک دِل تو رُوئے لب ہنسیں

بس چلے تو شرم کو جھونک دُوں مَیں بھاڑ میں
لاکھ غم چھپائے ہوں ایک چُپ کی آڑ میں

یا تو مجھ سے چھین لے "اُن" کی یاد اے خدا
یا تو "اُن" کو لاکے کر مُجھ کو شاد اے خدا!

یا تو کرسٹرن مجھے۔ ہوش میں نہ آؤں مَیں
یا تو اپنے ہوش میں "اُن" کو دیکھ پاؤں میں

یا تو اِک ذرا سا رحم "اُن" کے دِل میں ڈال دے
یا تو میرے جسم سے دِل کو تو نکال دے

دے سکا نہ اے خیال جاکے تُو پیام کُچھ
تیری دَوڑ دُھوپ سے چَل سکا نہ کام کُچھ

تُو نے میرے دِل کا درد "اُن" سے کچھ کہا بھی تھا
"اُن" سے مِل کے میرا دھیان تجھ کو کچھ رہا بھی تھا

چُپ ہی چُپ میں رہ گئی میرے غم کی داستان
کیوں نہ مانگ لے گیا تُو وہاں مری زبان

تُو تو "اُن" سے اے خیال مِل رہا ہے بار بار
جا چُکا ہے آج ہی کم سے کم ہزار بار

پھر کے "اُن" کے دل کے گِرد گھیر "اُن" کے دِل کو تُو
اُس طرف سے اِس طرف پھیر "اُن" کے دِل کو تُو

رُت پھرے۔ ہوا پھرے پھرنے والے سب پھریں
ایک "وہ" نہیں پھرے۔ کون جانے کب پھریں

دِل دُکھا جو ہم سنیں کل یہ آکے کہہ گئیں
ایسی صورت اور "وہ" تُم کو چاہتے نہیں

جاتے ہی پہاڑ پر بس نظر بدل گئی
دیکھنے کو مِل گئیں سیریں کچھ نئی نئی

کیا کچھ اور سمجھوں میں کر کے بد گمانیاں
بادَلی ہوئی نہ ہوں مِل کے دو جوانیاں

"اُن" کو بھول ہی نہیں کچھ جھجک ضرور ہے
اے وہ بھول ہی سہی مجھ کو شک ضرور ہے

"اُن" کے دِل میں میری چاہ شاید اب نہیں رہی
چھن گئی مری جگہ اور میں یہیں رہی

شاید اور کوئی شکل کھُب گئی نگاہ میں
کوئی رُوک ہو گئی - اِس طرف کی راہ میں

آنکھ اُوٹ در کنار "وہ" تو ہیں پہاڑ اُوٹ
چل گیا کسی کا وار - کھا گئے کسی کی چوٹ

مجھ سے پھر گئی تو کیا - مرد کی نظر ہی تو !
دِل میں کھوٹ آ گئی - کیا ہوا - بشر ہی تو !

یوں بھرا ہوا ہے سحر عورتوں کے رُوپ میں
جیسے رنگ پھول میں - جیسے نُور دھوپ میں

توبہ - ہو کے بدگماں میں نے کی خطا ضرور
بھول چوک ہو تو ہو - ہیں "وہ" باوفا ضرور

کاش او خیالِ ثواب نہ آئے میرے پاس
کاش اُن کی یاد - ثواب نہ لائے میرے پاس

"اُن" کے دِل میں آئے مَیل یہ خیال ہی فضول
یوں دِل "اُن" کا صاف ہے جیسے چاندنی کا پھول

کھاتے ہیں بہت ترس دِل سے ہر غریب پر
"وہ" ستم نہ ڈھائیں گے مجھ سی بے نصیب پر

"اُن" کی میں ہوں ۔ میرے "وہ" جہاں اب ہیں کہیں
شرع کی گرہ ہے عقد ۔ بند کی گرہ نہیں

یہ تو سب سہی ۔ مگر ۔ خود تو "وہ" اُدھر گئے
اور جہان بھر کا درد میرے دِل میں بھر گئے

آدمی بُرے ۔ کہ دُور اپنے گھر سے جا بسیں
طائرِ اچھے شب کو جو گھونسلوں میں آ بسیں

گھر کا نام خاک لوں ۔ بن کے یہ بگڑ چکا
اس پہ اُوس پڑ چکی ۔ مِٹ چُکا ۔ اُجڑ چُکا

چھت ٹپکتی ہے تو "اُدھر" کون اُس کی لے خبر
رُو رہی ہوں میں اِدھر ۔ رو رہی ہے وہ اُدھر

گھر ۔ وہ گھر نہیں رہا ۔ بن مری نظر میں ہے
"وہ" گئے تو کیا ہے اب خاک دھول گھر میں ہے

وہ مسہری "اُن" کی ہائے ۔ خالی دیکھوں کب تلک
گزرے دن ۔ مہینے ۔ سال "وہ" نہ آئے اب تلک

چُپکے چُپکے گنتی ہوں "اُن" کی ایک ایک شے
جس کے ساتھ "اُن" کا نام وہ مجھے عزیز ہے

اور شے کو کیا کہوں ۔ میں ہوں خود "اُنھیں" کی چیز
"اُن" سے تو نہیں مجھے اپنی جان تک عزیز

خیر سے جو آئیں "وہ" اور دیکھ پاؤں میں
پُتلیوں پہ لاؤں میں ۔ آنکھوں پر بٹھاؤں میں

خود ہی پھر نکالوں چھیڑ ۔ اپنا مُنھ سُکھا کے کچھ
بیٹھ جاؤں رُوٹھ کر ۔ تیوریاں چڑھا کے کچھ

رُخ ہو کچھ پھرا ہوا - سر ہو کچھ جُھکا ہوا
دوں قسم کہ پھر نہ جاؤ - لوں قسم کہ پھر نہ جائیں
بس کشش پہونچ گئی - بس "وہ" کھنچ کے آ گئے!
خیر - آسرے ہی پر اب تو زندگی رہی
یوں مِرے نصیب کو مُجھ سے لاکھ بیر ہو
کوئی اُف نہ کر سکے اور آگ میں جلے
دُکھ پہ دُکھ میں سہتی ہوں رات دِن جُدائی سے
"اُن" کے دیکھنے کو دِل کتنا بے قرار ہی
دھیان بندھ کے بارہا "اُن" کا شک ہوا مجھے
خط لکھوں - مگر فضول - "اُن" پہ ہو چکا اثر
اب تو جو کڑی پڑے - اُس کو جھیلتی رہوں

بات چیت بول اُٹھے - دِل ہی کچھ رُکا ہوا
کھلکھلا کے ہنس پڑوں ڈر کے جب قسم "وہ" کھائیں
بس میں "اُن" کو پا گئی - بس قسم "وہ" کھا گئے!
دِل بہلنے کے لئے ایک کھیل ہی سہی
خوش رہیں جہاں رہیں "اُن" کے جی کی خیر ہو
سو جہنّم اے خُدا اِس مکان سے بھلے
چین اُڑ گیا کہیں کیا تِری خُدائی سے
وعدہ تو نہیں - مگر مجھ کو اِنتظار ہی
آہٹ اور کی ہوئی اور میں سمجھی آ گئے
آہ میں اثر نہیں - خط میں ہو گا کیا اثر
کھیل تو بگڑ چکا - جی پہ کھیلتی رہوں

تپ نے خون پی لیا۔ اب پڑی ہی جان کی
یوں میں ہو گئی سفید جیسے کھیل دھان کی

ایں! یہ بولنے لگا آکے کون دِل جلا؟
گرم گرم آتی ہی میرے کانوں میں صدا

کوئی آکے پیڑ پر کہہ رہا ہی "پی کہاں"
"پی" کہیں ہیں میں کہیں۔ کیا کہوں ہی جی کہاں

جی رہی ہوں میں یہاں اور جی ہی "پی" کے ساتھ
پاس ہوں کہ دور ہوں ہیں "وہ" میرے جی کے ساتھ

بو کی کچھ لپٹ ابھی آئی ہی دماغ میں
ایسے پھول تو نہیں میرے خانہ باغ میں

ہی ہوا اُدھر ہی کی وہ پہاڑ ہی جدھر
شاید "اُن" کو چھو کے یہ آج آئی ہی اِدھر

پھر گیا ہی سر مرا اور کیا بتاؤں میں
"وہ" تو مجھ کو بھول جائیں بو کو یاد آؤں میں

تج چکے ہیں ہاتھ پاؤں زندگی کا زور سب
اِک ذری سی جان ہی۔ اور مجھ میں کیا ہی اب

جان سے بھی گزری میں۔ موت آکے صبر دے
گھر تو چین دے چکا۔ اب جو دے تو قبر دے

عالمِ خیال
کا
دُوسرا رُخ
شکستِ اُمّید

عُذر لکھا نہ آئے آپ۔ وعدے سے پھر بدل گئے
خط ہی کہ حرف حرف سے دِل پہ چلیں کٹاریاں
دیکھ رہی تھی "اُن" کی راہ پھر کے اِدھر اُدھر سے آنکھ
مَیں تو نہ لوُں۔ نہ لوُں۔ نہ لوُں بھول کے دَر کا نام اب
پھانس کے جال میں مجھے پنجڑے میں کر گئے "وہ" بند

اَے مرے انتظارِ صبر۔ چال نئی "وہ" چل گئے
ایک نہ آنا "اُن" کا۔ اور اُس پہ مِری بے قراریاں
پڑتی تھی دَر پہ بار بار کھنچ کے تمام گھر سے آنکھ
بَند رہے کُھلا رہے۔ کیا مجھے اُس سے کام اب
سمجھے کہ دانے پانی کی رکھیں گی فکر ساس نند

عورت "انھیں" بنا دے تو چند دنوں کو ای خدا
دکھ کو "وہ" جانیں بن کے "مرداں" سے جو میں ہوں جدا

کس کو دکھاؤں دل کی چوٹ میں کہیں اور وہ کہیں
پر مرے ہوتے تو ابھی اڑ کے پہونچتی میں وہیں

لڑتی جھگڑتی "اُن" سے خوب دل سے نہیں زبان سے
دل تو مرا نثار ہے "اُن" پہ ہزار جان سے

کہتی کہ آؤ۔ گھر چلو۔ کام کو جھونکو بھاڑ میں
تج کے گھر اس پہ آبسے۔ آگ لگے پہاڑ میں

خط سے پڑی جگر پہ چوٹ۔ زخم ہرے ہوئے ہیں آج
"اُن" سے ہزار ہا گلے دل میں بھرے ہوئے ہیں آج

چھین لیا ملال نے عیش مرے نصیب کا
جیسے مکان لوٹ لے کوئی کسی غریب کا

کاموں میں دن تو کٹ بھی جائے۔ رات کو پڑتی ہر گھڑی
شام ہوئی کہ اک بلا جان پہ آکے پھٹ پڑی

آتے ہیں سو طرح کے سوچ نیند اچاٹ ہونے پر
تکیوں سے باتیں کرتی ہوں لیٹی ہوئی بچھونے پر

رات کو منہ چھپا بھی لوں دن کو چھپاؤں کس طرف
پڑتی ہے اسکی اسکی آنکھ۔ بھاگ کے جاؤں کس طرف

آتی ہیں میری بھاوج آج۔ یہ تو بہت برا ہوا
کیا میں کہوں جو پوچھ اٹھیں "تم کو بہن یہ کیا ہوا"

کٹ گئی آنسوؤں سے میں کیا کہوں آج کیا پڑی
رہ گئی آنکھیں دیکھ کے میری ددا جو آپڑی

جان کے ساتھ لاکھ کام۔ مجھ سے نہ کوئی کام ہو
شام سے چُپ میں صُبح ہو صُبح سے چُپ میں شام ہو

سی نہ سکی دُلائی آج۔ چھوڑ کے اُٹھ کھڑی ہوئی
ہو گی کُھلی ہوئی مشین بنگلے ہی میں پڑی ہوئی

ہنستی ہیں آ کے ہم سنیں۔ تُلتی ہیں چھیڑ چھاڑ پر
روز مجھے ڈھکیل کے بھیجتی ہیں پہاڑ پر

اُن کا تو کھیل ہو گیا اور مرے جی پہ آ بنی
سُنتے ہی نام پڑ گئی سارے بدن میں سنسنی

اُڑتا ہے رنگ بار بار کُھلتا ہے درد رنگ سے
دیکھتی ہیں وہ غم کی شکل چہرے کے زرد رنگ سے

روز کی پُوچھ پاچھ کو رُوگ کہاں سے لاؤں میں
آئے دن اِک نیا مَرَض اپنے لئے بناؤں میں

ایک دِن اُن سے یہ کہوں۔ درد بہت ہے سر میں آج
دوسرے روز کیا کہوں؟ آج ہی مجھ کو اختلاج؟

اُن سے مرض وہی کہوں جس کو نہ دیکھ پائیں وہ
جو کہوں مُنہ سُکھا کے میں چپکے سے مان جائیں وہ

لاکھ جُھلاوے دیتی ہوں۔ وہ نہیں مانتی ہیں ایک
جُھولے پہ لے کے مجھ کو ساتھ رکھتی ہیں آخر اپنی ٹیک

وہ جو ہنسیں ہنسائیں تو مُنہ پہ ہنسی بناؤں میں
رو دُوں نصیب کو۔ مگر۔ گائیں تو ساتھ گاؤں میں

سچ تو یہ ہے کہ گھر نیا اور یہ زندگی نئی
اپنی خوشی کی زندگی بیاہ سے پہلے کٹ گئی

بھول گئے وہ کھیل کود جو تھے نصیب ماں کے گھر
کاہے کو میں ہوئی جوان - لڑکی ہی رہتی عمر بھر

اب تو پرائے بس میں ہوں - صبر کے ساتھ رہ سکوں
کوئی ہزار کچھ کہے - اپنی میں کچھ نہ کہہ سکوں

ساس کے منہ پہ خوش بنوں چاہے خوشی کا جی نہ ہو
زخم سامنے کھلے تو کیا - وہ تو کوئی ہنسی نہ ہو

دیور ابھی ادھر پھرے اور میں جی میں کھو گئی
لیٹ کے آنکھیں مُوند لیں جس میں وہ سمجھیں سو گئی

"**شوق**" ہی آج آ پڑے - رہ گئی ہو کے زرد میں
"اُن" کی شبیہ کو لئے جھاڑ رہی تھی گرد - میں

اُجڑے پہاڑ جس پہ "وہ" چھاؤنی چھائے بیٹھے ہیں
اُس پہ پھسل کے - دیس سے ہاتھ اُٹھائے بیٹھے ہیں

کر کے سنگار میرے پاس آتی ہیں ساتھ والیاں
ناز سے یوں لچکتی ہیں جیسے ہوا سے ڈالیاں

کپڑے بسے ہیں عطر سے - ہونٹھ ہیں لال پان سے
باتوں میں ٹپکی پڑتی ہے - دل کی خوشی زبان سے

"وہ" تھے تو گہنے پاتے سے خوب میں بن سنور چکی
تیل پھلیل - عطر - پان - سارے بناؤ کر چکی

اب تو بسے "وہ" جا کے دور - لطف ہی کیا نکھار کا
کون کھلے گا دیکھ کر رنگ مری بہار کا

ہو گئی لال رنگ سے چڑھ سی مرے جنون کو
بس ہو تو میں نکال دوں جسم سے سارے خون کو

دیتی ہے داغ آرسی۔ میں نہ چھوؤنگی اب اِسے
آتی ہے زرد رُو نظر۔ دیکھتی ہوں میں جب اِسے

کاجل اُڑے نہ ڈالوں گی اِس پہ کبھی نگاہ میں
بہتا ہے آنسوؤں کے ساتھ ہوتی ہوں رُوسیاہ میں

توڑ کے پھینکوں چوڑیاں۔ نا! یہ بُرا شگون ہے
اِتنی بھی میں سڑن نہیں۔ لاکھ مجھے جنون ہے

ہو بہت "اُن" کی زندگی چوڑیوں سے تو ہے سُہاگ
گہنے سے جلتی ہوں ضرور۔ جیسے بھری ہے اس میں آگ

اپنی جلن مٹا نہ دوں گہنے سے ہاتھ جھاڑ کے
جی میں ہے پھینک پھانک دوں سب کو میں توڑ تاڑ کے

"وہ" جو نہیں تو رہ چکی شوق سے بن سنور کے میں
بھیج نہ دوں "اُنھیں" کے پاس بکس میں بند کر کے میں

مُجھ کو تو چاہتے نہیں۔ کاہے کو دیکھیں آ کے "وہ"
چاہتے ہوں جسے وہاں۔ دیکھیں اُسے پہنا کے "وہ"

مرد کی شکل جب بنی۔ بھونرے کا دِل اُسے مِلا
جیسے وہ جا کے گونج اُٹھا پھول جہاں کہیں کھلا

ہائیں! بہک نہ او دماغ۔ اتنا بھی اِنتشار کیا
ڈھول کی رسّیاں نہ بٹ۔ وہم کا اِعتبار کیا

"اُن" میں وفا ہو یا نہ ہو۔ میں یہ کہوں گی ہے ضرور
ہاں یہ کہوں گی راہ کو۔ روکے ہے کوئی شے ضرور

دیکھنے کو ترس گئی۔ اِس کا گِلہ ضرور ہے
سہم کی بیڑیوں میں پانو اور پہاڑ دور ہے

اب تو بس اِس شبیہ سے "تم" کو میں دیکھ لیتی ہوں
دِل میں جو ہوک اُٹھتی ہے چین اسی سے دیتی ہوں

شکل ہے یہ "تمھاری" ہی - اور یہ میری جان ہے
اِس میں "تمھارا" حُسن ہے - اِسمیں "تمھاری" شان ہے

آ گئے مجھ میں کچھ حواس - سامنے جب یہ آ گئی
جان بچاؤ کے لئے آڑ ذری سی پا گئی

"تم" نظر آ ہی جاتے ہو - لے وہ خیال ہی سہی
دُور ہو "تم" تو سامنے اِتنا جمال ہی سہی

پال گئے تھے "تم" چکور - ہوتی ہوں اِس سے شاد میں
پڑتی ہے اِس پہ جب نظر - کرتی ہوں "تم" کو یاد میں

چاندنی رات میں - مگر دیتے ہو غم ضرور "تم"
اِس کی نظر میں چاند ہو - میری نظر سے دُور "تم"

صُبح کو جب مہکتے تھے میرے چمن میں کھل کے پھول
پھرتے تھے دونو ساتھ ساتھ چُنتے تھے دونوں کے پھول

اب تو ہے خانہ باغ گرد - ساری ہوا بگڑ گئی
کس کا چمن، کہاں کے پھول، پیڑوں پہ اُوس پڑ گئی

تُم نے جلا کے کر دیا دِل مرا زندگی سے سرد
ایک نہ آنا لاکھ ظلم - ایک جدائی لاکھ درد

کی نہیں میں نے کچھ خطا - کی ہو تو بھول جاؤ "تم"
مجھ کو نہ دیکھنا - مگر خیر سے گھر کو آؤ "تم"

"تم" جو کہو تو رُخ پہ میں آنچل اُٹھا کے ڈال لوں
اِس میں تو حرج کچھ نہیں - جھانک کے دیکھ بھال لوں

صرف "تمھاری" دید کی تم سے ہوں طالب اور بس
صرف تمھاری آرزو مجھ پہ ہے غالب اور بس

رحم کا اک سوال ہے اور کچھ التجا نہیں
ہیں بھی غریب عورتیں مستحق اس کی یا نہیں

"تم" نہ ستم کرو تو کیوں دل مرا بے قرار ہو
میں نہیں چاہتی کہ "تم" میرے گناہگار ہو

کیا میں خدا کے سامنے "تم" کو سزا دلاؤں گی
اپنی وفا کے نام کو خاک میں کیوں ملاؤں گی

جب تھے "تم" اپنے دیس میں نرم بہت تھا تب تو دل
کھا کے ہوا پہاڑ کی ہو گیا پتھر اب تو دل

جو بھی تمھارے دم سے بات وہ مجھے اب کہاں نصیب
ایک تمھارے منہ سے تھیں لاکھ تسلیاں نصیب

چھپ گئے پتلیوں سے "تم" ان کو نظر نہ آؤ گے
یہ تو بتاؤ۔ کس طرح دل سے نکل کے جاؤ گے

"تم" سے مرے نصیب میں شاید ابھی کرم نہیں
ان کے بڑے نصیب ہیں ہجر کا جن کو غم نہیں

رہتی ہیں شوہروں کے ساتھ بنتی ہیں اور سنورتی ہیں
ان پہ وہ ناز کرتے ہیں۔ ان پہ یہ ناز کرتی ہیں

دونو شگفتہ رہتے ہیں۔ پھول سے دو کھلے ہوئے
دونو کو زندگی کا لطف دونو کے دل ملے ہوئے

میں تو بس اب سنور چکی "تم" مرے پاس ہی نہیں
آئنہ لے کے بیٹھے کون؟ اتنے حواس ہی نہیں

مُجھ پہ تمھارے لاکھ حق - چاہو جہاں کہیں رہو
"تم" یہ بھی میرا کوئی حق ہے کہ نہیں تمھیں کہو

جانتی ہوں کہ مَرد ہو - مَرد کا حق بڑا ضرُور
سمجھوں پہاڑ کو بھی مَیں مَرد کا حق - یہ کیا ضرُور

عورت اگر میں ہو پڑی - اِسمیں مری خطا نہیں
پُوچھتی ہُوں بس اِتنی بات، جان ہے مجھ میں یا نہیں؟

کِس سے مَیں باتیں کر چلی - گُم ہیں مرے حواس ہی
ایسا بندھا کچھ "اُن" کا دھیان بیٹھے ہیں جیسے پاس ہی

جِن کے جِیوں کا روگ ہوں ہجر سے زندگانیاں
چھین لے اُن سے اے خدا اُن کی بھری جوانیاں

جانے وہ میرے جی کا حال جس کو کسی کی دُھن لگے
کھاتا ہے سُوچ یُوں مجھے جیسے پَنے کو گُھن لگے

پَردے میں عورتیں مریں چاہے ابھی قضا نہ ہو
رَسم کا حق ادا کریں - چاہ کا حق ادا نہ ہو

کہہ نہیں سکتی یہ کہ ہُوں میں بھی کہیں زمانے میں
جُرم تو کُچھ نہیں مگر - قید ہوں قید خانے میں

ساتھ بھی مجھے نہ لے گئے - کیا یہ رواج ہی نہیں
درد کو "وہ" نہ سمجھیں درد - اِس کا علاج ہی نہیں

"اُن" کی چچی پہاڑ پر اپنے میاں کے ساتھ ہیں
اُن میں لگے ہیں کون لعل آ جائیں وہ اور نہ جاؤں میں

مُجھ سی غریب اے خدا آگئی کِس عتاب میں
اِتنا ہی ہو گا دوزخی جتنی ہوں میں عذاب میں

میری بنی بنائی شکل گرد ہوئی۔ بگڑ گئی
روپ پہ خاک اُڑ گئی رنگ پہ اُوس پڑ گئی

باپ کے گھر سے لائی تھی رنگ کنول کے پھول کا
ہو کے میں زرد رو یہاں پھول بنی ببول کا

آنے کو لکھ کے چند بار پھر "وہ" ہوا بتا چکے
ہو بہت "اُن" کی زندگی۔ کیا "وہ" ابھی ستا چکے؟

اب مرے انتظار کا فیصلہ دم نکل کے ہو
اپنی ہی آگ سے بدن راکھ کا ڈھیر جل کے ہو

روح تو چاہے گی یہی اُڑ کے اُنھیں کے پاس جائے
حکم جو ہو بہشت کا۔ جائے۔ مگر اُداس جائے

کیا مری حسرتوں پہ "وہ" کچھ ترس آ کے کھائیں گے
گھر سے جو چل بسوں گی میں۔ گور پہ ملنے آئیں گے

مجھ کو تو کر چکے "وہ" خوش۔ روح کو آ کے خوش کریں
فاتحہ پڑھ کے خوش کریں، پھول چڑھا کے خوش کریں

سبزے کو سینچتے رہیں۔ مجھ پہ وہ بار ہو نہ جائے
نرم رہے۔ ہرا رہے۔ سوکھ کے خار ہو نہ جائے

عالم خیال
کا
تیسرا رُخ
مرد کے خیالات

ابھی یہیں تھے آج ہی وطن سے **شوق** آئے ہیں || مرے لئے بہت سا درد تحفے میں وہ لائے ہیں
وہ ماں کے شکوے کہہ گئے۔ بہن کے شکوے کہہ گئے || تمام شکوے درد بن کے میرے دِل میں رہ گئے
بس ایک مُنہ کی بات یہ نہ سُن سکے "وہ" چُپ رہے ہیں || کہو گی کچھ۔ کہو گی کچھ۔ یہ کہہ تھکے "وہ" چُپ رہے ہیں
زبان سے "وہ" کہتیں کیا۔ سکوت خود زبان تھا || وُہ چُپ چُپ "اُن" کا دیکھنا ہی ایک داستان تھا
ہزار شکوے کچھ نہ کہنے میں نہاں کئے رہیں || ہزار رنجشیں "وہ" چُپ کی آڑ میں لئے رہیں

خط ''اُن'' کے اب کم آتے ہیں کھنچی سی ہیں خفا سی ہیں
''وہ'' اپنے بے وفا کے ساتھ اب تو بیوفا سی ہیں

نہیں نہیں۔ غلط غلط۔ نہ میں نہ بیوفا ہیں ''وہ''
نہ ''اُن'' سے کچھ خفا ہوں میں۔ نہ مجھ سے کچھ خفا ہیں ''وہ''

تُنک مزاج ہیں۔ مگر۔ سرشت ''اُن'' کی نیک ہے
نہ ضِد کہو۔ نہ ہٹ کہو۔ ذری سی ''اُن'' میں ٹیک ہے

''وہ'' سوچتی ہیں چپ چپ اور وہم کو بڑھاتی ہیں
خیال جو جمے اُسے دماغ میں پکاتی ہیں

جو سمجھی ہوں کہ میں خفا ہوں تو غلط یہ بات ہے
اچانک آنے ہی کا کام تھا۔ فقط یہ بات ہے

بُلاتا ''اُن'' کو میں یہاں تو آنے پاتیں کس طرح
یہ پہلا ہی سفر تھا ''وہ'' اکیلی آتیں کس طرح

اُڑائیں چٹکیوں میں سب جو رسم کے خلاف ہو
کہے جو پھر خُدا بھی تو نہ یہ خطا معاف ہو

میں ''اُن'' کے رنج کا سبب ضرور ہوں ضرور ہوں
قصوروار ''اُن'' کا ہوں۔ اگرچہ بے قصور ہوں

یہاں میں آکے پڑ گیا تجارتوں کے پھیر میں
اُکھڑ اُکھڑ کے بارہا جما یہ کام دیر میں

نہ ''وہ'' یہاں، نہ میں وہاں، نہ شاد ''وہ'' نہ شاد میں
لیے ہیں میری یاد ''وہ'' لیے ہوں اُن کی یاد میں

مری خوشی ''اُنھیں'' سے تھی ''اُنھیں'' کے ساتھ رہ گئی
ہنسی کا نام خاک لوں۔ وہ آنسوؤں میں بہ گئی

یہ فطری ایک بات ہے کہ ڈھونڈھے ساتھ آدمی
بٹائے تا کہ مِل کے آدمی کا ہاتھ آدمی

نہ چاہے جو شریک اپنے حال کا وہ جی ہی کیا
نہ جس کا کوئی ہم نَفَس ہو اُس کی زندگی ہی کیا

شریک زندگی کا کوئی بیوی کے سِوا نہیں
میاں کی زندگی سے اُس کی زندگی جُدا نہیں

ہزار چین جس سے ہوں وہ بیوی ہی کی ذات ہے
ہزار لُطف اُس کے مُنہ کی ایک ایک بات ہے

مجھی کو دیکھو۔ کچھ یہاں نہ گھر کا کام بَن پڑا
خود اپنے کھانے پینے کا نہ اِنتظام بَن پڑا

غرض ہے عقد سے کہ دونوں دُور سے قریب ہوں
مگر وہ ترسیں دُور ہی جو ہم سے بے نصیب ہوں

بشر کو دِل تو وُہ مِلا ہے جو بھرا ہے چاہ سے
اب اُس سے پُوچھو جس کی بیوی دُور ہو نگاہ سے

کہیں رہوں مَیں صرف "اُنھیں" سے زندگی میں جان ہے
"اُنھیں" کے دَم سے جی ہے اور جی ہے تو جہان ہے

ہے عورت اِک لطیف جنس اپنے مرد کے لئے
یہ فطرت اِس کی ہے کہ اُس کی سمت اِس کا دل کھنچے

نہ ہو نصیب جس کو بیاہ اُس کا گھر خراب ہو
اکیلی زندگی ہی کیا۔ وہ جان کا عذاب ہو

مگر مِرا سا بیاہ کیا۔ کہ عقد اُدھر سفر اِدھر
"وہ" مُجھ سے بے خبر اُدھر میں اُن سے بے خبر اِدھر

پڑا ہی کھینچ تان سے عجیب کشمکش میں دِل
محبّت "اُن" سے مُستقل ہے ۔ ساتھ غیر مُستقل

فراق نے اِدھر اُدھر دِل اور جگر جلا دیئے
لگا کے آگ دو نو سِمت چند گھر جلا دیئے

اُدھر بھی غم ۔ اِدھر بھی غم، نہ تاب اُدھر نہ تاب اِدھر
نہ چین اُدھر ۔ نہ چین اِدھر، نہ خواب اُدھر نہ خواب اِدھر

اُدھر ٹہل کے شب کٹے ۔ اِدھر تڑپ کے شب کٹے
یہ سُوچ شام ہی سے ہو کہ دیکھیں رات کب کٹے

وہ دو دِلوں کی راحتیں سب اضطراب ہو گئیں
وہ دِن خیال ہو گئے ۔ وہ راتیں خواب ہو گئیں

جہان کوئی دوسرا جو غم سے پاک ہو کہیں
تو دونو اِس جہان سے نِکل کے جا رہیں وہیں

یہاں ہزار آفتیں ۔ اِنھیں میں دِل گھِرا کریں
یہاں ہزار گردشیں ۔ اِنھیں میں سر پھِرا کریں

وہ مُلک چل کے ڈھونڈلیں جہاں نہ آسمان ہو
جہاں نہ اُس کے ظُلم سے مُصیبتوں میں جان ہو

جہاں خوشی ہو دائمی ۔ نہ رنج پاس آسکے
جہاں کے میل جول میں نہ ہجر دخل پاسکے

مجھے تو کچھ جنون ہے ۔ یہ کیا سے کیا میں بک گیا
تو کیا کسی کے واسطے بنے جہان اِک نیا ؟

یہی جہان اب تو ہے ۔ اِسی کو جھیلنا پڑے
نصیب جو کھلائے کھیل اُسی کو کھیلنا پڑے

نہ بنتی کاش فرقت اِی خدا تری خدائی میں
بھرے ہوئے ہیں لاکھ درد ایک اِس جدائی میں

پھری اب اِس پہاڑ کی بہار سے مری نظر
یہاں ہیں جتنے پھول سب نثار "اُن" کے چہرے پہ

"اُنھیں" سمجھ رہا ہوں لطف اپنی زندگی کا مَیں
اگر نہیں "اُنھیں" کا مَیں۔ تو پھر نہیں کسی کا مَیں

مَیں مرد ہوں چلوں پھروں، بہل کے زندگی کٹے
کبھی خیال اُدھر بٹے۔ کبھی نگاہ اِدھر ہٹے

جدھر قدم بڑھاؤں میں۔ کُھلی ہوئی ہے راہ اُدھر
جدھر نظر اُٹھاؤں میں۔ ہے میری سیرگاہ اُدھر

غریب بیوی کیا کرے۔ مکان جس پہ تنگ ہو
فقط مکان ہی نہیں۔ جہان جس پہ تنگ ہو

گزارے گھر میں زندگی رگڑ رگڑ کے ایڑیاں
جکڑ کے ڈالے قید میں۔ رواج۔ بن کے بیڑیاں

یہ عورتیں ہیں ہند کی۔ وفا کا اِن میں خون ہے
وہ عشق شوہروں سے ہے کہ عشق کیا جنون ہے

بغیر دیکھے عقد پھر بھی دونو دل ملے ہوئے
شگفتہ یہ بھی۔ وہ بھی۔ جیسے پھول دو کھلے ہوئے

وہ ربط اُن میں جیسا بیشتر کے دیکھے بھالوں میں
وہ میل اُن میں۔ جیسا مدتوں کے ملنے والوں میں

غرض۔ وہ بیویاں۔ کہ خوبیوں سے خو بھری ہوئی
وہ ظرف اُن کی ذات جس میں آبرو بھری ہوئی

وہ ایک عفت ایسی جس سے حاصل اُن کو شہرت وہ ایک عصمت اِک طرف ہزار پہرے اِک طرف

لحاظ ایسا جیسے شوہروں کا اُن پہ فرض ہی وفا ہی فرض اُسی طرح نماز جیسے فرض ہی

ہی فرض شوہروں پہ بیویوں کی اس وفا کا حق نہ جانے جو وفا کا حق نہ مانے وہ خدا کا حق

میں "اُن" کے حق کو مان کر سمجھ گیا یہ مُدعا کہ وہ سکوت شوق سے مری طلب کا مُحکم تھا

وہی سکوت ہو تبسّم ایک روز تو سہی بنے "اُنھیں" کے دل کی ٹھنڈک "اُن" کا سوز تو سہی

گلے نہ پھر گلے رہیں گے مُجھ کو پا کے ایک دِن ہنسی بنیں گے سب گِلے لبوں پہ آ کے ایک دِن

نہ بھولنے کی چیز "وہ" نہ چھوٹنے کی چیز "وہ" مجھے عزیز جیسی جان ویسی ہی عزیز "وہ"

ٹپکتی ہی محبت اُن کے مُنہ کی بات بات سے ہزاروں راحتیں ہیں مُجھ کو ایک اُن کی ذات سے

یہ بات خوب یاد ہی کہ ایک دِن میں گھر میں تھا خفیف تب بھی مُجھ کو اور درد میرے سر میں تھا

سُنا کہ "اُن" کے بھائی گھر میں آگئے "بہ بات" گئیں نہ اُن کے دیکھنے کو تب میں چھوڑ کر مجھے

کہا بھی میں نے جانے کو تو رہ گئیں وہ ٹال کر بُلایا اپنے بھائی کو تو مِلے وہ آ کے میرے گھر

جو دِل رہا نہ چین سے تو "اُن" کی نیند اُچٹ گئی
مِرے قریب ساری رات آنکھوں ہی میں کٹ گئی

یہ دَم ہی صرف بیوی کا کہ یوں وفا کا دَم بھرے
ہزار راحتیں وہ دے ہزار خدمتیں کرے

سمجھتی ہی کہ شوہر اُس کا دِل ہی اُس کی جان ہی
اِسی سے اُس کی آبرو۔ اِسی سے اُس کی شان ہی

سمجھتی ہی کہ اُس کے جینے کو ہی صرف ایک گھر
جو عقد کی گرہ لگی۔ کھلے گی یہ نہ عُمر بھر

غرض "وہ" مجھ سے باوفا ہیں "اُن" سے باوفا ہوں میں
دِل اُن کا لے چکا ہوں میں دِل اپنا دے چکا ہوں میں

دِماغ میں "وہ" دِل میں "وہ" جگر میں "وہ" نظر میں "وہ"
یہ جسم گھر انھیں کا ہو ٹہل رہی ہیں گھر میں "وہ"

ادائیں "اُن" کی پھر رہی ہیں یوں مرے دماغ میں
اِدھر اُدھر پھریں حسین مور جیسے باغ میں

وہ ہار مجھ کو یاد ہی کہا تھا دیکھ کر جسے
ہیں موتیے کے پھول کم نہیں پہنتی میں اِسے

کہ سخت بو ہی سر میں درد ہو گا۔ دور ڈال دو
نہیں تو کامنی کے پھول چُن کے تم نکال دو

وہ چوڑیوں کا پھیرنا کہا تھا دیکھ کر جنھیں
چبھیں گا اُن کا گو کہ وہ نہ پہنوں گی کبھی انھیں

کہو بدل کے لائیں ایسی چوڑیاں بڑے میاں
کہ تین تین نہیں تو نہیں۔ چار چار ہوں کر ملیاں

زری کریپ سے وہ چڑھ کہ چبھتی ہی یہ خار سی   پسند صرف ململ اور گلبدن بنارسی

وہ ناپسند کونگ کا جنوں چڑھا کے پھیرنا   وہ میری سمت پھر نظر کو مسکرا کے پھیرنا

وہ صبح کو سویرے اُٹھ کے گشت خانہ باغ میں   وہ چھینکنا جو آئے اُڑ کے گُل کی بو دماغ میں

وہ تتلیوں سے کھیلنا جو بیٹھیں آ کے پھول پر   وہ بھاگنا جو بھنورے آئیں بھن بھنا کے پھول پر

گلوریوں کی صورتیں وہ خوشنما نئی نئی   سُفید پان اوپر اور اندر اُن کے لستئی

صفائی وہ کہ لوگ اُس پہ وہم کا گمان کریں   جو ایک پان کھائیں تو پچاس کُلّیاں کریں

گراز مُرد ایک شب جو لوٹ کر بلاق سے   "وہ" اُس کو ڈھونڈھنے لگیں چراغ لے کے طاق سے

مری نگاہ پڑ گئی تو چُپ رہا اُٹھا کے میں   "وہ" مُڑ کے دیکھنے لگیں تو ہنس پڑا چھپا کے میں

مری ہنسی سے چہرے پہ پیچ و تاب کھا کے رہ گئیں   جو دے دیا تو جھینپیں اور مُسکرا کے رہ گئیں

غرض "وہ" میرے پاس ہیں اگرچہ دور گھر میں ہیں   جمال بن کے آنکھوں میں خیال بن کے سر میں ہیں

یہ سب میں اُن کو کہہ بھی دوں تو کیا یقین [illegible]   ضرور چال سمجھیں "وہ" ضرور جھوٹ جان لیں

تو خیر اب میں آپ ہی یقین بن کے جاؤں گا ۔۔۔ مجسم اعتبار ہو کے "شکل" انھیں، دکھاؤں گا

وطن کی لہر آگئی - پہاڑ اب ہوا گراں ۔۔۔ مگر ابھی تو پاؤں میں پڑی ہوئی ہیں بیڑیاں

فقط بچھونا ہی جو ہو تو اُٹھ کے میں لپیٹ لوں ۔۔۔ ہزار کام پھیلے ہیں انھیں ذرا سمیٹ لوں

ہے آج پہلی چار ہفتوں تک نجات پاؤں گا ۔۔۔ تو لکھ نہ دوں کہ تیئیسویں اگست کو میں آؤں گا

ہے شوق اُن کو پھولوں کا تو گملے لیتا جاؤں گا ۔۔۔ یہاں کے پھولوں کی بہار انھیں وہیں دکھاؤں گا

میں اپنی "شکل" لے چلوں - یہ اُن کے دل کی بات ہے ۔۔۔ ہزار تحفوں سے زیادہ ایک میری ذات ہے

وہ مجھ سے چھیڑ ہی سہی - مگر ذرا نہیں تو پھر ۔۔۔ نہ ہوں گی دل سے وہ خفا - مگر خفا بنیں تو پھر

پسیجے جس سے "ان" کا دل وہ شکل انھیں دکھاؤں میں ۔۔۔ قسمیں کھا کے اُن سے اپنی بے بسی جتاؤں میں

قسم تمھاری آنکھوں کی ہے جب یہ فتنہ ساز ہوں ۔۔۔ قسم پہ پھر قسم انھیں کی جب یہ نیم باز ہوں

قسم تمھارے ماتھے کی شکن جب اس پہ ڈال لو تم ۔۔۔ قسم تمھارے روٹھنے کی جب نہ بولو چالو تم

قسم تمھارے دانتوں کی ہے لب کو جب دبائے ہوں ۔۔۔ قسم تمھارے ابروؤں کی بل جب ان میں آئے ہوں

قسم تمھاری خامشی کی جب نظر زبان ہو
بندھے تمھاری ٹکٹکی تو ایک داستان ہو

قسم تمھارے ہونٹھوں کی ہے جب نہ وار پاؤں میں
گلے کرو تم اس قدر کہ عذر بھول جاؤں میں

کہاں کی قسمیں۔ کیوں میں جاؤں اس غلط خیال پر
محبت اُن کی غالب آہی جائے گی ملال پر

کہوں گا مُنہ سُکھا کے میں کہ بدظنی گناہ ہے
تمھیں بس ایک دل میں تھیں۔ خدا مرا گواہ ہے

تمھارے سب گِلے بجا۔ تڑپ بجا۔ الم بجا
تمھاری سب شکایتیں تمھاری ہی قسم بجا

تمھارا شک بجا سہی۔ مگر غلط۔ مگر غلط
یہ آنکھیں بے وفا نہیں تو پڑتی کیوں نظر غلط

ہٹاؤ لب سے دانت اب جو کوئی گر گیا تو پھر
یہ نازکی یہ ظلم ہے۔ نشان پڑ گیا تو پھر

بھوؤں کے بَل نکل گئے۔ کمانیں اب اُتر چکیں
نگاہیں مِل کے کہتی ہیں کہ جنگ ختم کر چکیں

خوشی ہنسی کی شکل بن کے آ گئی لبوں تلک
تم آرسی سے پوچھ لو جو میرے کہنے میں ہو شک

بس اتنے ہی میں ہنس پڑیں گی جھک کے دل سے معاف وہ
کریں گی یہ تصور میرے قصور کو معاف وہ

عالمِ خیال
کا
چوتھا رُخ
اُمّید

شکر ہے تار آگیا۔ آئیں گے آج "وہ" ضرور | کیا میں کھنچی ہوئی رہوں اُن کی نظر سے دور دور
آنکھوں کو بند کر کے خوب اپنی نظر کو روک لوں | پلکوں کے کانٹے ڈال کے راہ گزر کو روک لوں
اُن کی صدا سُنیں جو کان پھر تو نہ ہو جگر سے صبر | پا کے اُنھیں نہ ہو سکے ترسی ہوئی نظر سے صبر
کیا میں جگر کو تھام لوں کیا میں نظر کو پھیر لوں | کیا وہ اُدھر سے آئیں تو رُخ میں اِدھر کو پھیر لوں
آئیں جو اُس طرف سے "وہ" رُخ کو میں پھیر لوں اس طرف | دل تو مگر اُنھیں کا ہے اس کو میں پھیروں کس طرف
چین نہ ہو کلیجے کو یہ تو اُچھل اُچھل پڑے | راہ کھُلی ہے حلق کی مُنہ سے اگر نکل پڑے

[illegible] پہ ہوں تُلی ہوئی
مجھ کو ا [illegible] تو سمجھوں گی میں ضرور ہی
کیا جو وہ چاہیں مجھ سے رحم تب بھی میں کچھ تنی رہوں
چاہے بھی دل جو اُن پہ رحم۔ اب نہیں پھر کبھی کروں
پاتے ہی آہٹ اُن کی میں بھاگ کے منہ چھپاؤں گی
بن کے خفا کروں گی آج اتنا حجاب اُن سے میں
بات کوئی نکل ہی جائے لاکھ میں منہ سیئے رہوں
ترسی ہوئی ہیں پتلیاں چین نہ لیں گی پاکے یہ
چوری چھپے کی دیکھ بھال۔ بات مزے کی ہے یہی
اور جو وہ سمجھ گئے پھر تو بگڑ گیا کھیل
آنے کے وقت ہیں کئی۔ کون کہے کب آئیں گے

آج سویرے ہی سے ہے جیب کی گرہ کھلی ہوئی
رکھوں گی سیکڑوں قصور۔ لاکھ ہوں بے قصور ہی
کیا جو وہ ہنس کے کچھ کہیں تب بھی میں بُت بنی رہوں
جتنی رکھائی بن پڑے آج تو میں سبھی کروں
اوڑھ لپیٹ کے الگ تخت پہ بیٹھ جاؤں گی
جیسے میں کوئی اور ہوں۔ جیسے وہ کوئی اور ہیں
آپ سے بات چیت کھٹ یہ تو ضرور ہی کہوں
خوب کریں گی تاک جھانک اُن کی نظر بچا کے یہ
دیکھوں میں اور نہ دیکھیں وہ گھات مزے کی ہے یہی
پھر نہ چلے یہ میری چال۔ پھر نہ منڈھے چڑھے یہ بیل
میرے نصیب سے وہ آج کاہے کو یہاں آئیں گے

تار ہیں دِن تو لکھ گئے۔ وقت کو چھوڑ ہی دِیا
جھگڑے میں اِنتظار کو ڈال دیا غضب کیا

اور اگر نہ آئے وہ۔ ہائے یہ شک ستم کا ہی
آ مرے دل میں اے اُمید وقت ترے کرم کا ہی

شک کو نکالتی ہوں میں۔ یاس کو ٹالتی ہوں میں
تیرے سہارے لے اُمید دِل کو سنبھالتی ہوں میں

پھڑکے ہزار بار آنکھ۔ اس کو تو کچھ نہ جانوں گی
دِل مرا دے گا آسرا تو میں یقین مانوں گی

بُول اُٹھا وہ میرا دِل کہتا ہی آ رہے ہیں "وہ"
میرے لئے بہت سا چین تحفے میں لا رہے ہیں "وہ"

جی سے ہنسی ہوں آج ہی دیکھ کے اُن کا تار میں
رکھتی ہوں اور اُٹھاتی ہوں پڑھتی ہوں بار بار میں

تھی میں سڑن سی کل تلک آج نہیں ہی کچھ جنوں
دِل کو قرار آگیا جیسے مرض کو ہو سکون

لُطف مِرے دماغ کا خوب بڑھا ہوا ہی آج
آپ ہی آپ نشہ سا مجھ کو چڑھا ہوا ہی آج

کل مِرے سر میں درد تھا۔ آج ہی کچھ غرور سا
کل مرے دل میں رنج تھا۔ آج ہی کچھ سرور سا

گھر کی زمین جاگ اُٹھی صحن پہ نُور چھا گیا
آئیں گے وہ ضرور ہی۔ مُجھ کو یقین آگیا

دِن کی گھڑی گھڑی مجھے اب تو پہاڑ ہو گئی
دیر کو اور کیا کہوں۔ راہ میں ریل سو گئی

کچھ نہیں۔ آرہے ہیں وہ۔ دِل سے خبر میں پا چکی
یاس مری اُمید سے دب کے شکست کھا چکی

آئیں گے وہ تو میرے گھر ہوگی ضرور بھیڑ بھاڑ
بیٹھ کے میری ہم نشیں مجھ سے کریں گی چھیڑ چھاڑ

آج کی چُہلیں وہ نہ ہوں جن سے اکیلے لب ہنسیں
دل بھی جگر بھی۔ جان بھی چُپکے ہی چُپکے سب ہنسیں

رُک نہ سکے ہنسی مگر کُھلنے نہ دوں ہنسی کا بھید
کہہ کے ہنسی کی کوئی بات اُسمیں چھپاؤں جی کا بھید

کچھ ہے خبر بھی اے چکور آئے گا کون گھر میں آج
چاند سے تیرے بڑھ کے چاند ہوگا مری نظر میں آج

آکے پپیہے پیڑ پر اب جو کہیں گے "پی کہاں"
ہنس کے کہوں گی اُن سے میں بیٹھے ہیں دیکھو "پی یہاں"

صبح کو تار آنے پر میں نے جو دیکھی آرسی
چہرے کے خشک پھول پر آئی نظر بہار سی

جیسے جہان بھر کا رس آنکھوں میں بھر گیا ہے آج
جیسے چمک سی آگئی رنگ نکھر گیا ہے آج

مانی تھیں جتنی منتیں ہوں گی وہ پوری آج سب
بیٹھی ہوں در کو تاکتے بھول کے کام کاج سب

کیا ستم انتظار کا صبح سے میرے جی پہ ہے
در پہ کبھی مری نظر اور کبھی گھڑی پہ ہے

آنے میں شک نہیں۔ مگر کرتی ہے دیر بے قرار
مجھ کو سڑک کی گاڑیاں دیتی ہیں دھوکے بار بار

جتنی خوشی ہے دل کو آج اُن کے وطن میں آنے کی
اُتنی ہی فکر ہے مجھے اُن کو ذرا ستانے کی

مجھ کو رُلا چکے بہت. جان عذاب میں رہی
کچھ تو عوض میں لوں ہی گی اور یہ دل ہی سے سہی

اُن کو نہ دوں خوشی کی چھاؤں اُن پہ ہنسی نہ کھلنے دوں
کس کے دباؤں دونوں ہونٹھ. دانت کبھی نہ کھلنے دوں

دیکھوں نہ پلکیں کھول کے کتنا ہی چاہے میرا جی
سامنے اپنی آنکھوں کے گھیرے رہوں قنات سی

ہاتھ پہ رکھ کے اپنا گال بیٹھی رہوں جھکائے سر
پلکیں کھلیں بھی تو رہے میری نگاہ تخت پر

ڈالوں پھر آنچل اس طرح جس سے نظر کی آڑ ہو
رُخ کو جدھر سے تاکیں وہ آنچل اُدھر کی آڑ ہو

جھک کے جو چاہیں دیکھنا ہاتھوں سے مُنہ چھپاؤں میں
کھول کے کچھ کچھ اُنگلیاں جھانک کے مُسکراؤں میں

کچھ جو وہ دیں تو یُوں نہ لُوں لُوں تو نہیں نہیں کے بعد
لاکھ رُکاوٹوں کے بعد لاکھ چُنیاں چُنیں کے بعد

بول اُٹھوں تو ہو جُدا اُن سے روش زبان کی
وہ جو کہیں زمین کی ہیں کہوں آسمان کی

چھیڑ کے بدگمانیاں اپنی ہی رکھوں ٹیک میں
لاکھ نہیں نہیں کریں. اُن کی نہ مانوں ایک میں

عُذر کریں تو یوں سُنوں جیسے میں سُنتی ہی نہیں
بیٹھی رہوں وہیں مگر جیسے ہوں اور ہی کہیں

گھونگھٹ اگر نکالوں میں اُس کو تو نہ اُٹھائیں "وہ" ماتھے پہ ڈالوں جو گرہ اُس کو نہ کھول پائیں "وہ"

آہی چلے اگر ہنسی ہونٹھوں پہ چھپٹر چھپاؤں میں ہاتھ میں لے کے پنکھیا مُنہ کو چھپاؤں آڑ میں

بات بناؤں کھل پڑے کچھ جو ہنسی ہی میں مُنہ باچھوں کو پونچھنے لگوں دیکھ کے آرسی میں مُنہ

سیکڑوں جھگڑوں میں آج اُن کو میں ڈالوں تو سہی ساری کسر بہار کی اُن سے نکالوں تو سہی

مُجھ سے وہ مانگیں پان میں دوں گی نہ خود زبان میں پھیر کے مُنہ بڑھاؤں گی ہاتھوں سے خاصدان میں

وہ کہیں "لڑ چکیں تم اب" تو میں کہوں کہ "جی نہیں" وہ کہیں "دے چکیں سزا" تو میں کہوں "ابھی نہیں"

ہو کے بلا میں اُن کے سر آج پڑوں ضرور ہی جی میں ہنسا کروں۔ مگر مُنہ سے لڑوں ضرور ہی

طعنوں سے کان پاٹ دوں یا نوک اُن کی زُلف تھام توبہ وہ مُجھ سے بول جائیں تو مرا مُنہ ہی نام

لوں قسم کہ پھر نہ جائیں جائیں تو ساتھ لے کے جائیں اور اگر نہ لے کے جائیں تو مجھے زہر دے کے جائیں

مُجھ سے درد میں لے زباں مانگتی ہوں دعا یہی آج چاہے دل اُن کی ہی کہے۔ تو کہے میری ہی سہی آج

جتنی دلیر بنتی ہوں اُتنی میں ہوں بھی یا نہیں دل کی کڑی میں کیا بنوں اُن کا سا دل مرا نہیں

بس ہے زبان پہ ضرور۔ اس کو سکھاؤں جنگ میں
آنکھیں ہیں پیاسی دید کی۔ اِن کی نگاہیں کیا کریں
"ہونٹھوں پہ آئی وہ ہنسی" کہیں او رہنسائیں تو!
دِل میں جو گدگدی سی ہو۔ رُک نہ سکے کبھی ہنسی
اُنھ مجھے اِس کا سوچ کیا۔ جی سے تو میں خفا نہیں
دِل میں بسے ہوئے ہیں وہ اِس میں خیال اُنھیں کا ہو
یہ ہو درست۔ وہ ہو صاف گھر میں یہی ہو ذکر اب
تار مرے بُلاق کا ٹوٹ گیا اُلجھ کے رات
لونگ بھی ناک میں نہیں دیکھ کے مُنہ کہیں گے آپ!
شوق جو آئے تو یہ بات حلق تک آ کے رہ گئی
ہیرے کی اِک نفیس لونگ لائے تھے پرسوں تم راج

لیکن اُڑاؤں کس طرح رُخ سے خوشی کا رنگ میں
وہ جو ہوں سامنے تو یہ میرے جھکائے کیا جھکیں
لاکھ دباؤں ہونٹھ میں۔ دانت جو کھل ہی جائیں تو!
باتیں ہی یہ ہنسی کی ہیں۔ آنے لگی ابھی ہنسی
رُوٹھ تو لیتی ہیں۔ مگر۔ عورتیں بے وفا نہیں
دِل مرا ہے وہ آئنہ جس میں جمال اُنھیں کا ہو
کمرے کو میں سجا چکی۔ رہ گئی اپنی فکر اب
ٹھیک کرا نہ لوں ابھی۔ یہ تو ہے اک ذری سی بات
دیو اگر نہ لانے تو اُن سے یہ کیا کہوں گی میں
سمجھی کہ وہ نہ لیں گے دام پپ میں لجا کے رہ گئی
لی نہ گراں سمجھ کے تب۔ سستی سمجھ کے لوں گی آج

ہاتھوں میں بانکیں کم رہیں۔ ٹوٹ کے گر گئیں کئی | پہنوں گی اب نہا کے میں رکّھی ہیں چوڑیاں نئی

مجھ کو بھی سادگی پسند۔ اُن کو بھی سادگی پسند | پہنوں سفید ہی لباس۔ ہوگا اُنھیں یہی پسند

بیلیں ہوں یا ہوں بوٹیاں چُبھتی ہیں کامدانیاں | چند دوپٹّے پھاڑ لوں۔ رکّھی ہیں جامدانیاں

لائی ہے اچھن ایک بیل۔ بیچی اُس کی کچھ نہیں | ہلکی بہت ہے شربتی۔ چھپ گئی ہے کہیں کہیں

صُبح سے کسیر سر ہو وہ۔ کہتی ہوں لوں میں یا نہ لوں | بیل کٹاؤ کی ابھی چوک سے کیوں منگا نہ لوں

اُجلے لباس کے لئے اُجلا ہی سب رہے بناؤ | بُندے وہ آج پہنوں میں ہیرے کا جن میں ہے جڑاؤ

ہاتھوں کی چوڑیاں بھی ہیں ہیروں سے جڑی ہوئی | اُن کے نصیب جاگے آج برسوں سے ہیں پڑی ہوئی

ہار میں گوندھ لوں اگر پھول ہوں خانہ باغ میں | اب کے برس تو موگرا گھر میں کھلا نہ باغ میں

پھول اگر نہ ہوں تو خیر کپڑے بسائے لیتی ہوں | کم ہے سہاگ بھی میں رال سو میں منگائے لیتی ہوں

اے لو حضور آ گئے۔ بندی سنورتی ہی رہی | بن نہ پڑا سنگار کچھ۔ حوصلہ کرتی ہی رہی

نیرنگِ جمال

حضرتِ شوقؔ مرحوم کی ایک دلآویز نظم ہے جو مرحوم کی مخصوص زبان اور برگزیدہ انداز کا بہترین نمونہ ہے۔ اِس نظم میں طرح طرح کی دلفریب جدتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ایک مختصر سا افسانہ ایسی جادو بیانی کے ساتھ نظم ہوا ہے کہ جسکی نظیر ہماری زبان میں نہ ملیگی۔ مضمون کی سادگی اور جذبات کی مصوری خاصکر قابلِ داد ہے۔ (چھوٹی خوشنما تقطیع) قیمت چار آنے علاوہ محصول۔ اور چھ آنیکے ٹکٹ آنے پر کتاب بذریعہ ڈاک روانہ ہوگی۔

پتہ

یوسفی پریس۔ فرنگی محل۔ لکھنؤ

(مشہور تاجران کتب سے بھی ملسکتی ہے)